کے باشندے عام طور پر ناواقف ہیں۔ زمین کی غیر فطری تقسیم، (ص ۱۱۵-۱۱۶)، بندوبست اراضی کے ظالمانہ قوانین، (ص ۱۱۸-۱۱۹، ۱۳۹) اور ملازمین کی تنخواہوں میں حد درجہ تفاوت (ص ۱۳۴)، اور اس قسم کے دوسرے مسائل سے متعلق مفصل معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب تک یہ حالات قائم ہیں، صرف تشدد اور فوجی قوانین سے اشتراکیت کا سیلاب نہیں روکا جا سکتا۔

آخری باب میں عورتوں کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، وہ حیرت انگیز ہے۔ مصر میں عورتوں کی تعلیم اور مغربی تہذیب کے اثرات اس درجے کو پہنچ گئے ہیں کہ سمجھ دار طبقے چیخ اٹھے ہیں۔ اور تو اور عورتوں کی جدید تعلیم اور بے پردگی کے حامی بھی بے حیائی کی اس رفتار سے گھبرا رہے ہیں۔ مگر ازہر کا یہ بگڑا ہوا شیخ اس پر بھی مطمئن نہیں۔ لے دے کر صرف پارلیمنٹ کی ممبری اور انتخاب کا حق عورتوں کو مصر اور دوسرے عرب ملکوں میں حاصل نہیں۔ خوش قسمتی سے عرب ملکوں کے علماء اور اہل نظر اس بات پر متفق ہیں کہ عورتوں کو عام ملکی نظم و نسق میں دخیل نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے "بنیل زادیوں" کی تمام ہنگامہ آرائیوں کے باوجود اب تک وہاں عورتیں ووٹ اور ممبری کے "کار و بار" سے الگ ہیں۔ کتاب کے مصنف اس پر بہت نالاں ہیں۔ اور یہاں یہ بات دلچسپی کے ساتھ سنی جائے گی کہ مصنف نے عورتوں کی صلاحیت کار کے سلسلے میں سب سے بڑی اسلامی حکومت پاکستان کی بے پردہ خاتون، بیگم شائستہ اکرام اللہ سہروردیہ کو حجت کے طور پر پیش کیا ہے نیز پاکستانی عورتوں کو بے محابا اور بے جھجک پریڈ کے لباس میں دیکھ کر بھی بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا ہے: (ص ۲۱۱)

کتاب کا "تعارف" ذرا طویل ہو رہا ہے۔ آخر میں ایک بات اور سن لی جائے تو اچھا ہے۔ کتاب کی قیمت خاص طور پر بہت کم رکھی گئی ہے۔ اور ایک سال میں چار اڈیشن نکل چکے ہیں۔ نیز غیر ملکی عیسائی مشنریوں نے اس کی طباعت و اشاعت میں خاص طور پر مدد کی ہے۔

(۲) مِنْ هُنَا نَعْلَم (ہم یہاں سے جانتے ہیں) | مصنفہ محمد الغزالی - ۱۳۶ صفحے۔

۔ یہ خالد محمد خالد کی کتاب من ھُنا نبدأ کا جواب ہے۔ اس کے مصنف الاخوان المسلمون

کے سرگرم کارکن اور جوان صالح، شیخ محمد الغزالی ہیں۔ اصل کتاب کے برعکس، تردید انتہائی سنجیدہ اور علمی انداز بیان میں لکھی گئی ہے۔ اور شیخ خالد کے مغالطوں اور غلط بیانیوں کو متانت اور قوتِ استدلال کے ساتھ بے نقاب کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے مصنف نے اسلامی نظام حکومت کو لیا ہے، جس کی دعوت ان کا مشن ہے اور جس کی راہ میں وہ قید و بند سے بھی سرفراز ہو چکے ہیں۔ مصنف کے ذہنی سلجھاؤ کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے شروع ہی میں اسلامی دستور کی حیثیت اور اہمیت واضح کر دی ہے۔ نجد و یمن کی حکومتوں کو وہ اسلامی حکومت تسلیم نہیں کرتے، گو وہاں شرعی حدود کا نفاذ ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

"حدود شرعیہ ہی کل اسلام نہیں . . . . . فوجداری اور مالی قوانین دستور کے فروع ہیں۔ پہلے دستور کی تعیین اور تحدید ہونی چاہیے۔ اگر دستور ہی اسلامی نہیں، تو پھر فروع کی کیا قیمت؟ جزیرۂ عرب میں شخصی استبداد کے سوا کوئی "دستور" نہیں۔ اور جب حاکم کی زبانِ حال وہ دعویٰ کر رہی ہو جو فرعون کی زبان مقال نے کیا تھا[1]، تو پھر قانون اسلامی اور حدود کے نفاذ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔" (ص ۱۸-۱۷)

مصنف نے بڑی تفصیل سے اسلامی حکومت کے فرائض و واجبات گنائے ہیں اور دین و دنیا کی تقسیم کے اسباب و مفاسد پر بھی نظر ڈالی ہے۔ اسلامی حکومت اور عیسائیوں کی تھیا کریسی (Theocracy) کا فرق بھی لائق مصنف سے پوشیدہ نہیں۔ (ص ۲۵)

اسلامی حکومت کی خصوصیات اور قومی حکومتوں کی خرابیوں کی تفصیل پورے ۶۶ صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ مزید اقتباس دینا طوالت کا باعث ہوگا۔

اس کے بعد مصنف نے شیخ خالد کے محبوب و مرغوب موضوع پر گفتگو کی ہے۔ علماء کا مذاق اڑانے میں شیخ خالد کو بڑا لطف آتا ہے۔ وہ خود بھی ازہر کے سند یافتہ ہیں، شاید یہ احساس کمتری کا نتیجہ ہو۔ محمد الغزالی نے اس باب میں بے لاگ اور صاف باتیں کہی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ

[1] یعنی انا ربکم الاعلیٰ

مغربی مفکروں کے اقوال کی ضرورت کیا تھی؟ احادیث میں علمائے سوء کے فتنوں اور فریب کاریوں کی صاف پیش گوئیاں موجود ہیں۔ علمائے اسلام کی تصنیفات میں پیشہ ور واعظوں اور دین کا کاروبار کرنے والوں (المتجرین بالدین) کے خلاف کیا کچھ نہیں کہا گیا ہے (ص ۶۲-۶۷) شیخ خالد کی اس بات سے بھی الغزالی کو اتفاق ہے کہ اس وقت مصر میں دین کے نام نہاد ترجمان اور دینی انجمنوں اور درس گاہوں کے کرتا دھرتا دین کی خدمت نہیں کر رہے ہیں۔ اُن کے اپنے محدود تصورات ہیں، جن پر وہ خوش وخرم، ایک "وظیفہ خوار" کی طرح "شاہ" کو دعائیں دیا کرتے ہیں اُن میں سے بعض مشہور مذہبی انجمنوں (الجمعیات الدینیہ) کا ذکر کرتے ہوئے، الغزالی لکھتے ہیں:-

"ایک انجمن ہے، جو روزہ نماز پر قانع ہے۔ اس کے کارکنوں کو معاشرتی معاملات پر توجہ دلایئے تو جواب ملے گا "ہم سیاسیات میں دخل نہیں دیتے"۔ دین کے اس فہم کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے فلسطین ہاتھ سے نکل گیا اور ان کے ہاتھوں میں جنبش تک نہ ہوئی۔ ایک دوسری شاندار انجمن ہے جو قبروں کی پرستش اور تقلید شخصی کے خلاف برسرپیکار اور محمد بن عبدالوہاب کی تعلیمات کے پھیلانے میں سرگرم ہے[1] جب ان سے پوچھیے کہ زندوں کی عبادت (عبادۃ الاحیاء) اور خود ابن عبدالوہاب کے وطن میں "طواغیت" کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا کیسا ہے؟ تو لبوں پر مہرِ سکوت لگ جاتی ہے"۔

(ص ۷۳-۸۰)

یہ بحث ص ۹۰ پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے بعد عورتوں کے مسئلے پر گفتگو کی گئی ہے (ص ۹۱-۱۰۹)

---

[1] اس انجمن کے ماہانہ آرگن (الہدی النبوی) کے نگران اعلیٰ اور مصر کے سب سے بڑے سلفی عالم اور محقق شیخ احمد محمد شاکر (جن کی تحریریں نظام اسلامی کی حمایت میں چھپ کر مقبول ہو چکی ہیں) نے تو گذشتہ دور استبداد میں حد ہی کر دی۔ یعنی الاخوان المسلمون کے کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔ العیاذ باللہ۔ اللہ کے دین کی راہ میں جان دینے والے کافر اور گھروں میں بیٹھ کر کتابوں کی ورق گردانی کرنے والے اسلام کے علمبردار۔ ع تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

اِس سلسلے میں صرف ایک چیز قابلِ ذکر ہے مصنف چہرے پر نقاب ڈالنا عورت کے لیے ضروری نہیں خیال کرتے اور اس پر انہیں اصرار ہے (ص ۱۰۵)۔ کتاب کی اشاعت کے بعد شباب[1] سیدنا محمدؐ والوں سے ان کی بحث بھی ہو چکی ہے۔

کتاب کا آخری اور چوتھا باب اسلام اور اشتراکیت (ص ۱۳۳-۱۴۲) خوب ہے۔ شیخ خالد نے صدقہ اور زکوٰۃ کا مذاق اڑایا تھا۔ مصنف نے نہایت معقول اور مدلل طریقے پر صدقہ اور زکوٰۃ کی اہمیت واضح کی ہے۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقرباء (بنو ہاشم) کے لیے زکوٰۃ کا مال حرام قرار دیا ہے۔ اس کی عجیب وغریب توجیہیں کی جاتی ہیں۔ بعض لوگ اسے نسبی برتری پر محمول کرتے ہیں۔ شیخ خالد نے زکوٰۃ کے مال کی حقارت اِس کی وجہ قرار دی ہے مگر مصنف نے صحیح طور پر لکھا ہے کہ رسول کریمؐ نے داعی کی حیثیت سے ایثار سے کام لیا اور اپنے خاندان والوں کو ملکی آمدنی کے ایک بڑے ذریعے سے محروم کر دیا۔ یہ داعی کی خصوصیات ہیں۔ آخر نبی کی ذاتی جائداد بھی تو میراث نہیں بنتی۔ زکوٰۃ دین کا ایک اہم رکن ہے۔ اگر اس مال میں آلِ رسول کا حصہ ہوتا، تو کہنے والوں کو موقع ملتا۔ قرآن کریم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے لوثی اور پاک دامنی پر بار بار زور دیا ہے۔ زکوٰۃ کے مال سے بنو ہاشم کو محروم کرنا بھی اسی بے لوثی کی ایک مثال ہے۔ اس باب کے آخر میں مصنف نے ہمارے عربی رسالوں کا بھی ذکر کیا ہے:-

"ایک مہینہ ہوا، مولانا مودودی (رئیس جماعت اسلامی پاکستان) کے علمی رسالے مجھے ملے۔ میں نے انہیں دو دو تین تین بار (مثنیٰ وثلاث) پڑھا۔ میری حیرت وتعجب کی انتہا نہ رہی جب ہم نے اپنے ہندی بھائیوں کو اسلوب بیان، تدابیر اور حل، سب میں اپنے سے بہت قریب بلکہ بالکل موافق پایا۔"

---

[1] مصر کی ایک مذہبی انجمن۔ جو صرف عورتوں کی بے حیائی اور بے پردگی کے خلاف مصروفِ جہاد ہے۔

اس باب میں ہمیں مصنف کی اصطلاح "الاشتراکیۃ الاسلامیۃ" (اسلامی سوشلزم) سے اختلاف ہے۔ مصر و شام میں ہمارے ہم خیال دوستوں نے "اسلامی سوشلزم" کی اصطلاح تقریباً قبول کر لی ہے۔ وہ شیوعیہ (کمیونزم) سے تو بہت برہم ہیں، مگر اظہار مدعا اور تفہیم عام کے لیے اسلامی اشتراکیت (اسلامی سوشلزم) استعمال کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ ہم انشاء اللہ انہیں اس طرف بار بار توجہ دلائیں گے۔ اسی طرح ایک جگہ مصنف نے جمال الدین افغانی، محمد عبدہٗ، احمد عرابی اور عبدالرحمٰن الکواکبی کو اسلامی حکومت کے داعیوں میں شمار کیا ہے (ص ۴۸)۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ سید جمال الدین مسلمان حکومتوں کا سیاسی اتحاد اور مغربی طاقتوں کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ محمد عبدہٗ کچھ دنوں تو اپنے استاذ کے ساتھ چلے، پھر ایک تعلیمی و معاشرتی مصلح ہو کر رہ گئے۔ کہیں کہیں تو محمد عبدہٗ ہمارے ہاں کے سر سید، امیر علی اور چراغ علی کی صف میں آ جاتے ہیں۔ احمد عرابی ایک فوجی لیڈر تھے۔ وہ نہ عالم تھے نہ مصلح۔ عبدالرحمٰن الکواکبی کے سیاسی اور دینی مصلح ہونے میں شک نہیں، مگر اسلامی حکومت کا داعی کہنا انہیں بھی مشکل ہے۔

بس یہی دو چیزیں کتاب کے فکری نظام میں ٹھیک نہیں بیٹھتیں۔ انشاء اللہ ہم انہیں اس طرف توجہ دلائیں گے۔

(۳) الاسلام والاوضاع الاقتصادیۃ | تالیف محمد الغزالی: ۱۱۶ صفحے (دوسرا ایڈیشن)
(اسلام اور معاشی تشکیلات)

اقتصادی نظام اور اس کی مختلف تشکیلات کے باب میں دین کا موقف کیا ہے؟ یہ ہے کتاب کا موضوع۔

"میں نے صرف دین کے نصوص اور اس کے مآخذ پر اعتماد کیا ہے۔ تقابلی مطالعہ اور دوسرے نظاموں سے موازنہ کی کوشش نہیں کی گئی۔ مجھے نہ اس سے بحث ہے اور نہ میرے پاس اس کے وسائل ہی ہیں۔ اس کتاب کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ

لے الاخوان المسلمون کے اکثر لکھنے والے اس فرق کو محسوس کرتے ہیں۔ احمد انس الحجاجی نے اپنے ایک رسالہ "رجل الساعۃ" (وقت کا آدمی) میں اسے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔